**اکبر الہ آبادی** 

* 1846-1921
* الہ آباد

اردو میں طنز و مزاح کے سب سے بڑے شاعر ، الہ آباد میں سیشن جج تھ

# آم نامہ

نامہ نہ کوئی یار کا پیغام بھیجئے

اس فصل میں جو بھیجئے بس آم بھیجئے

ایسا ضرور ہو کہ انہیں رکھ کے کھا سکوں

پختہ اگرچہ بیس تو دس خام بھیجئے

معلوم ہی ہے آپ کو بندے کا ایڈریس

سیدھے الہ آباد مرے نام بھیجئے

ایسا نہ ہو کہ آپ یہ لکھیں جواب میں

تعمیل ہوگی پہلے مگر دام بھیجئے

# برق کلیسا

رات اس مس سے کلیسا میں ہوا میں دو چار

ہائے وہ حسن وہ شوخی وہ نزاکت وہ ابھار

زلف پیچاں میں وہ سج دھج کہ بلائیں بھی مرید

قدر رعنا میں وہ چم خم کہ قیامت بھی شہید

آنکھیں وہ فتنۂ دوراں کہ گنہ گار کریں

گال وہ صبح درخشاں کہ ملک پیار کریں

گرم تقریر جسے سننے کو شعلہ لپکے

دلکش آواز کہ سن کر جسے بلبل جھپکے

دل کشی چال میں ایسی کہ ستارے رک جائیں

سرکشی ناز میں ایسی کہ گورنر جھک جائیں

آتش حسن سے تقوے کو جلانے والی

بجلیاں لطف تبسم سے گرانے والی

پہلوئے حسن بیاں شوخیٔ تقریر میں غرق

ترکی و مصر و فلسطین کے حالات میں برق

پس گیا لوٹ گیا دل میں سکت ہی نہ رہی

سر تھے تمکین کے جس گت میں وہ گت ہی نہ رہی

ضبط کے عزم کا اس وقت اثر کچھ نہ ہوا

یا حفیظ کا کیا ورد مگر کچھ نہ ہوا

عرض کی میں نے کہ اے گلشن فطرت کی بہار

دولت و عزت و ایماں ترے قدموں پہ نثار

تو اگر عہد وفا باندھ کے میری ہو جائے

ساری دنیا سے مرے قلب کو سیری ہو جائے

شوق کے جوش میں میں نے جو زباں یوں کھولی

ناز و انداز سے تیور کو چڑھا کر بولی

غیرممکن ہے مجھے انس مسلمانوں سے

بوئے خوں آتی ہے اس قوم کے انسانوں سے

لن ترانی کی یہ لیتے ہیں نمازی بن کر

حملے سرحد پہ کیا کرتے ہیں غازی بن کر

کوئی بنتا ہے جو مہدی تو بگڑ جاتے ہیں

آگ میں کودتے ہیں توپ سے لڑ جاتے ہیں

گل کھلائے کوئی میداں میں تو اترا جائیں

پائیں سامان اقامت تو قیامت ڈھائیں

مطمئن ہو کوئی کیوں کر کہ یہ ہیں نیک نہاد

ہے ہنوز ان کی رگوں میں اثر حکم جہاد

دشمن صبر کی نظروں میں لگاوٹ آئی

کامیابی کی دل زار نے آہٹ پائی

عرض کی میں نے کہ اے لذت جاں راحت روح

اب زمانے پہ نہیں ہے اثر آدم و نوح

شجر طور کا اس باغ میں پودا ہی نہیں

گیسوئے حور کا اس دور میں سودا ہی نہیں

اب کہاں ذہن میں باقی ہیں براق و رفرف

ٹکٹکی بندھ گئی ہے قوم کی انجن کی طرف

ہم میں باقی نہیں اب خالد جاں باز کا رنگ

دل پہ غالب ہے فقط حافظ شیراز کا رنگ

یاں نہ وہ نعرۂ تکبیر نہ وہ جوش سپاہ

سب کے سب آپ ہی پڑھتے رہیں سبحان اللہ

جوہر تیغ مجاہد ترے ابرو پہ نثار

نور ایماں کا ترے آئینۂ رو پہ نثار

اٹھ گئی صفحۂ خاطر سے وہ بحث بد و نیک

دو دلے ہو رہے ہیں کہتے ہیں اللہ کو ایک

موج کوثر کی کہاں اب ہے مرے باغ کے گرد

میں تو تہذیب میں ہوں پیر مغاں کا شاگرد

مجھ پہ کچھ وجہ عتاب آپ کو اے جان نہیں

نام ہی نام ہے ورنہ میں مسلمان نہیں

جب کہا صاف یہ میں نے کہ جو ہو صاحب فہم

تو نکالو دل نازک سے یہ شبہ یہ وہم

میرے اسلام کو اک قصۂ ماضی سمجھو

ہنس کے بولی کہ تو پھر مجھ کو بھی راضی سمجھو

# جلوۂ دربار دہلی

سر میں شوق کا سودا دیکھا

دہلی کو ہم نے بھی جا دیکھا

جو کچھ دیکھا اچھا دیکھا

کیا بتلائیں کیا کیا دیکھا

جمنا جی کے پاٹ کو دیکھا

اچھے ستھرے گھاٹ کو دیکھا

سب سے اونچے لاٹ کو دیکھا

حضرت ''ڈیوک کناٹؔ'' کو دیکھا

پلٹن اور رسالے دیکھے

گورے دیکھے کالے دیکھے

سنگینیں اور بھالے دیکھے

بینڈ بجانے والے دیکھے

خیموں کا اک جنگل دیکھا

اس جنگل میں منگل دیکھا

برھما اور ورنگل دیکھا

عزت خواہوں کا دنگل دیکھا

سڑکیں تھیں ہر کمپ سے جاری

پانی تھا ہر پمپ سے جاری

نور کی موجیں لیمپ سے جاری

تیزی تھی ہر جمپ سے جاری

ڈالی میں نارنگی دیکھی

محفل میں سارنگی دیکھی

بیرنگی بارنگی دیکھی

دہر کی رنگا رنگی دیکھی

اچھے اچھوں کو بھٹکا دیکھا

بھیڑ میں کھاتے جھٹکا دیکھا

منہ کو اگرچہ لٹکا دیکھا

دل دربار سے اٹکا دیکھا

ہاتھی دیکھے بھاری بھرکم

ان کا چلنا کم کم تھم تھم

زریں جھولیں نور کا عالم

میلوں تک وہ چم چم چم چم

پر تھا پہلوئے مسجد جامع

روشنیاں تھیں ہر سو لامع

کوئی نہیں تھا کسی کا سامع

سب کے سب تھے دید کے طامع

سرخی سڑک پر کٹتی دیکھی

سانس بھی بھیڑ میں گھٹتی دیکھی

آتش بازی چھٹتی دیکھی

لطف کی دولت لٹتی دیکھی

چوکی اک چولکھی دیکھی

خوب ہی چکھی پکھی دیکھی

ہر سو نعمت رکھی دیکھی

شہد اور دودھ کی مکھی دیکھی

ایک کا حصہ من و سلویٰ

ایک کا حصہ تھوڑا حلوا

ایک کا حصہ بھیڑ اور بلوا

میرا حصہ دور کا جلوا

اوج بریش راجا دیکھا

پرتو تخت و تاج کا دیکھا

رنگ زمانہ آج کا دیکھا

رخ کرزن مہراج کا دیکھا

پہنچے پھاند کے سات سمندر

تحت میں ان کے بیسوں بندر

حکمت و دانش ان کے اندر

اپنی جگہ ہر ایک سکندر

اوج بخت ملاقی ان کا

چرخ ہفت طبقاقی ان کا

محفل ان کی ساقی ان کا

آنکھیں میری باقی ان کا

ہم تو ان کے خیر طلب ہیں

ہم کیا ایسے ہی سب کے سب ہیں

ان کے راج کے عمدہ ڈھب ہیں

سب سامان عیش و طرب ہیں

اگزبشن کی شان انوکھی

ہر شے عمدہ ہر شے چوکھی

اقلیدس کی ناپی جوکھی

من بھر سونے کی لاگت سوکھی

جشن عظیم اس سال ہوا ہے

شاہی فورٹ میں بال ہوا ہے

روشن ہر اک ہال ہوا ہے

قصۂ ماضی حال ہوا ہے

ہے مشہور کوچہ و برزن

بال میں ناچیں لیڈی کرزن

طائر ہوش تھے سب کے لرزن

رشک سے دیکھ رہی تھی ہر زن

ہال میں چمکیں آ کے یکا یک

زریں تھی پوشاک جھکا جھک

محو تھا ان کا اوج سما تک

چرخ پہ زہرہ ان کی تھی گاہک

گو رقاصۂ اوج فلک تھی

اس میں کہاں یہ نوک پلک تھی

اندر کی محفل کی جھلک تھی

بزم عشرت صبح تلک تھی

کی ہے یہ بندش ذہن رسا نے

کوئی مانے خواہ نہ مانے

سنتے ہیں ہم تو یہ افسانے

جس نے دیکھا ہو وہ جان

# دربار1911

دیکھ آئے ہم بھی دو دن رہ کے دہلی کی بہار

حکم حاکم سے ہوا تھا اجتماع انتشار

آدمی اور جانور اور گھر مزین اور مشین

پھول اور سبزہ چمک اور روشنی ریل اور تار

کراسن اور برق اور پٹرولیم اور تارپین

موٹر اور ایروپلین اور جمگھٹے اور اقتدار

مشرقی پتلوں میں تھی خدمت گزاری کی امنگ

مغربی شکلوں سے شان خود پسندی آشکار

شوکت و اقبال کے مرکز حضور امپرر

زینت و دولت کی دیوی امپرس عالی تبار

بحر ہستی لے رہا تھا بے دریغ انگڑائیاں

تھیمس کی امواج جمنا سے ہوئی تھیں ہم کنار

انقلاب دہر کے رنگین نقشے پیش تھے

تھی پئے اہل بصیرت باغ عبرت میں بہار

ذرے ویرانوں سے اٹھتے تھے تماشا دیکھنے

چشم حیرت بن گئی تھی گردش لیل و نہار

جامے سے باہر نگاہ ناز فتاحان ہند

حد قانونی کے اندر آنریبلوں کی قطار

خرچ کا ٹوٹل دلوں میں چٹکیاں لیتا ہوا

فکر ذاتی میں خیال قوم غائب فی المزار

دعوتیں انعام اسپیچیں قواعد فوج کمپ

عزتیں خوشیاں امیدیں احتیاطیں اعتبار

پیش رو شاہی تھی پھر ہز ہائینس پھر اہل جاہ

بعد اس کے شیخ صاحب ان کے پیچھے خاکسار

# فرضی لطیفہ

خدا حافظ مسلمانوں کا اکبرؔ

مجھے تو ان کی خوشحالی سے ہے یاس

یہ عاشق شاہد مقصود کے ہیں

نہ جائیں گے ولیکن سعی کے پاس

سناؤں تم کو اک فرضی لطیفہ

کیا ہے جس کو میں نے زیب قرطاس

کہا مجنوں سے یہ لیلیٰ کی ماں نے

کہ بیٹا تو اگر کر لے ایم اے پاس

تو فوراً بیاہ دوں لیلیٰ کو تجھ سے

بلا دقت میں بن جاؤں تری ساس

کہا مجنوں نے یہ اچھی سنائی

کجا عاشق کجا کالج کی بکواس

کجا یہ فطرتی جوش طبیعت

کجا ٹھونسی ہوئی چیزوں کا احساس

بڑی بی آپ کو کیا ہو گیا ہے

ہرن پہ لادی جاتی ہے کہیں گھاس

یہ اچھی قدر دانی آپ نے کی

مجھے سمجھا ہے کوئی ہرچرن داس

دل اپنا خون کرنے کو ہوں موجود

نہیں منظور مغز سر کا آماس

یہی ٹھہری جو شرط وصل لیلیٰ

تو استعفیٰ مرا با حسرت و یاس

# مدرسہ علی گڑھ

خدا علی گڑھ کے مدرسے کو تمام امراض سے شفا دے

بھرے ہوئے ہیں رئیس زادے امیر زادے شریف زادے

لطیف و خوش وضع چست و چالاک و صاف و پاکیزہ شاد و خرم

طبیعتوں میں ہے ان کی جودت دلوں میں ان کے ہیں نیک ارادے

کمال محنت سے پڑھ رہے ہیں کمال غیرت سے پڑھ رہے ہیں

سوار مشرق راہ میں ہیں تو مغربی راہ میں پیادے

ہر اک ہے ان میں کا بے شک ایسا کہ آپ اسے چاہتے ہیں جیسا

دکھاوے محفل میں قد رعنا جو آپ آئیں تو سر جھکا دے

فقیر مانگے تو صاف کہہ دیں کہ تو ہے مضبوط جا کما کھا

قبول فرمائیں آپ دعوت تو اپنا سرمایہ کل کھلا دے

بتوں سے ان کو نہیں لگاوٹ مسوں کی لیتے نہیں وہ آہٹ

تمام قوت ہے صرف خواندن نظر کے بھولے ہیں دل کے سادے

نظر بھی آئے جو زلف پیچاں تو سمجھیں یہ کوئی پالیسی ہے

الکٹرک لائٹ اس کو سمجھیں جو برق وش کوئی کودے

نکلتے ہیں کر کے غول بندی بنام تہذیب و درد مندی

یہ کہہ کے لیتے ہیں سب سے چندے جو تم ہمیں دو تمہیں خدا دے

انہیں اسی بات پر یقیں ہے کہ بس یہی اصل کار دیں ہے

اسی سے ہوگا فروغ قومی اسی سے چمکیں گے باپ دادے

مکان کالج کے سب مکیں ہیں ابھی انہیں تجربے نہیں ہیں

خبر نہیں ہے کہ آگے چل کر ہے کیسی منزل ہیں کیسے جادے

دلوں میں ان کے ہیں نور ایماں قوی نہیں ہے مگر نگہباں

ہوائے منطق ادائے طفلی یہ شمع ایسا نہ ہو بجھا دے

فریب دے کر نکالے مطلب سکھائے تحقیر دین و مذہب

مٹا دے آخر کو دین و مذہب نمود ذاتی کو گو بڑھا دے

یہی بس اکبرؔ کی التجا ہے جناب باری میں یہ دعا ہے

علوم و حکمت کا درس ان کو پروفیسر دیں سمجھ خدا دے

# مس سیمیں بدن

ایک مس سیمیں بدن سے کر لیا لندن میں عقد

اس خطا پر سن رہا ہوں طعنہ ہائے دل خراش

کوئی کہتا ہے کہ بس اس نے بگاڑی نسل قوم

کوئی کہتا ہے کہ یہ ہے بد خصال و بد معاش

دل میں کچھ انصاف کرتا ہی نہیں کوئی بزرگ

ہو کے اب مجبور خود اس راز کو کرتا ہوں فاش

ہوتی تھی تاکید لندن جاؤ انگریزی پڑھو

قوم انگلش سے ملو سیکھو وہی وضع تراش

جگمگاتے ہوٹلوں کا جا کے نظارہ کرو

سوپ و کری کے مزے لو چھوڑ کر یخنی و آش

لیڈیوں سے مل کے دیکھو ان کے انداز و طریق

ہال میں ناچو کلب میں جاکے کھیلو ان سے تاش

بادۂ تہذیب یورپ کے چڑھاؤ خم کے خم

ایشیا کے شیشۂ تقویٰ کو کر دو پاش پاش

جب عمل اس پر کیا پریوں کا سایہ ہو گیا

جس سے تھا دل کی حرارت کو سراسر انتعاش

سامنے تھیں لیڈیاں زہرہ وش و جادو نظر

یاں جوانی کی امنگ اور ان کو عاشق کی تلاش

اس کی چتون سحر آگیں اس کی باتیں دل ربا

چال اس کی فتنہ خیز اس کی نگاہیں برق پاش

وہ فروغ آتش رخ جس کے آگے آفتاب

اس طرح جیسے کہ پیش شمع پروانے کی لاش

جب یہ صورت تھی تو ممکن تھا کہ اک برق بلا

دست سیمیں کو بڑھاتی اور میں کہتا دور باش؟

دونوں جانب تھا رگوں میں جوش خون فتنہ زا

دل ہی تھا آخر نہیں تھی برف کی یہ کوئی قاش

بار بار آتا ہے اکبرؔ میرے دل میں یہ خیال

حضرت سید سے جاکر عرض کرتا کوئی کاش

'درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ ای

'باز می گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش'

# نئی تہذیب

یہ موجودہ طریقے راہیٔ ملک عدم ہوں گے

نئی تہذیب ہوگی اور نئے ساماں بہم ہوں گے

نئے عنوان سے زینت دکھائیں گے حسیں اپنی

نہ ایسا پیچ زلفوں میں نہ گیسو میں یہ خم ہوں گے

نہ خاتونوں میں رہ جائے گی پردے کی یہ پابندی

نہ گھونگھٹ اس طرح سے حاجب روئے صنم ہوں گے

بدل جائے گا انداز طبائع دور گردوں سے

نئی صورت کی خوشیاں اور نئے اسباب غم ہوں گے

نہ پیدا ہوگی خط نسخ سے شان ادب آگیں

نہ نستعلیق حرف اس طور سے زیب رقم ہوں گے

خبر دیتی ہے تحریک ہوا تبدیل موسم کی

کھلیں گے اور ہی گل زمزمے بلبل کے کم ہوں گے

عقائد پر قیامت آئے گی ترمیم ملت سے

نیا کعبہ بنے گا مغربی پتلے صنم ہوں گے

بہت ہوں گے مغنی نغمۂ تقلید یورپ کے

مگر بے جوڑ ہوں گے اس لیے بے تال و سم ہوں گے

ہماری اصطلاحوں سے زباں نا آشنا ہوگی

لغات مغربی بازار کی بھاشا سے ضم ہوں گے

بدل جائے گا معیار شرافت چشم دنیا میں

زیادہ تھے جو اپنے زعم میں وہ سب سے کم ہوں گے

گزشتہ عظمتوں کے تذکرے بھی رہ نہ جائیں گے

کتابوں ہی میں دفن افسانۂ جاہ و حشم ہوں گے

کسی کو اس تغیر کا نہ حس ہوگا نہ غم ہوگا

ہوئے جس ساز سے پیدا اسی کے زیر و بم ہوں گے

تمہیں اس انقلاب دہر کا کیا غم ہے اے اکبرؔ

بہت نزدیک ہیں وہ دن کہ تم ہوگے نہ ہم ہوں گ